مُردہ آدمی کی گلی کے بائیں ہاتھ پر تھی۔ وُہ تینوں اُدھر سے گزرے اور پھر پہلی گلی میں سے ہو کر اُس گھر کے اندر چلے گئے جس کا دروازہ موہنجو کے تمام گھروں کی طرح پچھواڑے میں تھا اور پہلی گلی کی طرف اُس کی سیدھی دیوار۔یں تھیں جن میں کوئی کھڑکی نہ تھی اور وُہ بالکل سیدھی چلی جاتی تھیں اور اُن کے آخر میں روشنی کے لئے دو تین ترچھے سوراخ تھے۔

رات ہو چکی تھی۔

پُورن جُھکا اور سیدھا ہوا۔۔۔ اُس نے گھوڑے کو باندھا تھا۔ "آؤ اوپر چھت پر چلتے ہیں"

"رات گرم تو نہیں جو اوپر چلنا ہے اِدھر ویہڑے میں ہی سو جائیں گے"

"تم ہمیشہ اندر ہی اندر اور چُھپ کر رہنا چاہتے ہو۔" پُورن ہنسا اور اُس کی ہنسی ویہڑے کے چاروں طرف بنی کوٹھڑیوں میں گئی اور گونج کر باہر آ گئی کہ اُن کی دیوار۔یں اندھی تھیں اور اُن میں کوئی سوراخ نہ تھا "آؤ کل تم نے چلے جانا ہے"

وُہ جُھک کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

ہلکی تاریکی میں موہنجو کی ہموار چھتیں وہاں تک جاتی تھیں جہاں کھیتوں کی ہریاول کی سیاہی تھی اور اُس کے ساتھ کہیں سندھو تھا جو اب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بڑے تالاب کی منڈیروں کا ایک حصہ چھتوں کے اس پھیلے ہوئے میدان میں ذرا اونچا تھا ورنہ یہاں سے وہاں تک پُورے موہنجو کی چھتیں ایک ہی سطح پر ایسے تھیں جیسے ایک ہی چھت ہوں یہاں سے وہاں کھیتوں اور سندھو تک۔ ہاں بیچ میں کہیں کہیں گلیوں کی دراڑ۔یں تھیں اور ارد گرد بچاؤ کی بڑی دیوار تھی کہیں سے اونچی اور کہیں سے نیچی۔

"سارے موہنجوڈارو میں ایک بھی رُکھ نہیں، کیا یہ اچنبے کی بات نہیں ورچن؟"

اور ورچن نے ایک نظر اُن چھتوں کو دیکھا جنہیں وُہ کئی بار دیکھ چکا تھا اور اُن ویہڑوں کو دیکھا جن میں کسی میں روشنی تھی اور کوئی اندھیرے میں تھا اور اُس نے جانا کہ اِس سے پہلے اُسے کبھی خیال نہیں آیا کہ موہنجو کی کسی گلی میں، کسی گھر میں کوئی رُکھ نہیں ہے۔۔ موہنجو سارے میں ایک بھی رُکھ نہیں تھا۔ "ہاں۔" ورچن حیرت میں بولا۔ "لیکن ایسا کیوں ہے؟"

"تم رُکھوں اور ہریاول اور پانیوں سے دُور ہو چکے ہو اس لئے۔ تم جانتے ہو کہ ہم میں سے بہت کم لوگ تمہاری بستیوں میں رہتے ہیں۔ ہم اِدھر رہ نہیں سکتے۔ ہمارے نتھنے ان کی ہوا میں کام نہیں کرتے اور ہمارا دم چھوٹا ہوتا ہے۔ ہمیں کُھلی ہوا اور کُھلی رات چاہیئے اور اسی لئے میں یہاں بہت دن نہیں رہوں گا اور اُوپر ہری یوپیا کے ساتھ میدانوں میں جا کر کھیتی باڑی کروں

گا۔"

پُورے موہنجو کے بیچ ایک بڑی گلی پہاڑ پاسے سے سمندر کی طرف جاتی تھی اور دوسری اُس کو سیدھی آر پار کاٹتی تھی۔ یُوں ساری بستی چوکور اور لمبے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جدھر سورج ڈوبتا تھا اُدھر بچاؤ کی عمارتیں تھیں، پر کس سے بچاؤ؟ وُہ تو آچکے تھے اور بہت برسوں سے آچکے تھے اور یہیں تھے اِس موہنجو کے اندر۔

ورچن نے چھتوں سے نظر ہٹا کر پُورن کو دیکھا اور ہولے ہولے ہنسا "میں کہاں رُکھوں اور ہریاول اور پانیوں سے دُور ہواؤں، میں تو اُن میں رہتا ہوں، کُھلی ہوا اور کُھلی رُتوں میں رہتا ہوں۔"

"جو ہونا ہوتا ہے وُہ اِن بڑی بستیوں میں ہوتا ہے، اِن میں رہنے والوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تم تو پتہ نہیں کہاں کس چھوٹی سی نالی کے کنارے آباد دو چار گھروں کی بستی میں رہتے ہو"

"تم نے گھاگرا دیکھا نہیں اس لئے اُسے چھوٹی نالی کہہ رہے ہو۔" ورچن یکدم بُجھ گیا اور اُس کا دل تَرسا اُس کے پانیوں کے لئے اور اُن کی باس کے لئے اور اُس بستی کے لئے جس میں پاروشنی تھی "تم کیا جانو کہ گھاگرا کتنا بڑا ہے"۔

"سرسوتی۔"

"نہیں" ورچن کھاٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا "گھاگرا۔"

"ایک ہی بات ہے۔ ہم اُسے ساتویں ندی کہتے ہیں اور سرسوتی کہتے ہیں، اپنے ویدوں میں اُس کی تعریف کرتے ہیں۔"

"اور تم اُسے چھوٹی سی نالی بھی تو کہتے ہو۔"

پورن چُپ ہوگیا۔ اُس کے پاس جواب نہ تھا، اُس نے گرمی میں آکر ایک بودن بات کہہ دی تھی اور اب نہیں جانتا تھا کہ اُس بات کو سیدھا کیسے کرے۔ پر یہ ورچن بھی تو ایک ہلکائے ہوئے جنور ایسے اُس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا کہ تم اُدھر سے آئے ہو اور یہ زمین ہماری ہے اور یہ ہے اور وُہ ہے۔ وہ بھلا سرسوتی کو چھوٹی سی نالی کیسے کہہ سکتا تھا۔ اُسے بڑی شرمندگی تھی اور اُس کی سیدھی اور اونچی ناک پر پسینے کے قطرے پُھوٹے اور وُہ سر جھکا کر کہنے لگا "ہم تو ویدوں میں کہتے ہیں کہ سرسوتی جھاگ سے بھری لہروں کے ساتھ آتی ہے ہمارے بچاؤ کے لئے۔ پہاڑوں سے لے کر سمندروں تک اُس کا راستہ پوّتر ہے اور ندیوں میں صرف سرسوتی ہے جو ہماری بات سنتی ہے۔ اِس میں دوسری تمام ندیوں سے بڑھ کر شاندار بڑے پانی آتے ہیں جیسے رتھ پر سوار

ہوں۔"

"یہ تم کونسی ندی کی بات کر رہے ہو پُورن؟"

پُورن نے غصّے سے سر اُٹھایا "بیچ میں ٹوکتے کیوں ہو؟"

"اس لئے کہ تم جس ندی کی بات کرتے ہو وُہ گھاگرا نہیں ہے۔"

"پر یہ تو دوسرے رگ وید میں آیا ہے"۔ پورن کی آنکھیں سُرخ ہوئیں۔

"اور میں خود وہاں سے آیا ہوں۔" ورچن غصّہ بھول کر مسکرانے لگا "میں اپنی زمین کو تمہارے ویدوں سے زیادہ جانتا ہوں، جو کچھ اُن میں ہے مُجھ میں اُس سے بڑھ کر ہے۔ اُن میں جو کچھ ہے وُہ پرانا ہو گیا ہے، اب گھاگرا وُہ نہیں جس میں شاندار اور جھاگ سے بھرے بڑے پانی آتے تھے۔ اُس میں تو اب اتنا زور نہیں کہ وُہ بستی سے پرے رُکھوں والی جھیل تک پہنچ سکیں اور ہمیں دوسری ندیوں کا پتہ نہیں ہم تو صرف گھاگرا کو جانتے ہیں۔"

"یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ویدوں میں ٹھیک نہ لکھا ہو۔ تم جانتے ہو اُن کو کس نے لکھا؟"

"اُنہوں نے جو باہر سے آئے تھے۔"

"اور وُہی باہر والے اُسے دیوی کا رُوپ دے کر اُس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اُسے ساری ندیوں سے بڑھ کر پوتر تا دیتے ہیں۔"

ورچن ہنسا، ایسے ہنسا کہ پُورن کو دُکھ ہوا کہ یہ کیوں ہنسا اور اُس نے پُوچھا کہ تم کیوں ہنستے ہو؟

"وہی پرانی بات کہ تم ہر شے کو دیوی دیوتا بنا کر اپنے سے الگ کر دیتے ہو اور اُس سے دُور جا بیٹھتے ہو اور اُسے چُھوتے نہیں اُس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہو اور اُسے دیکھتے نہیں آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ گھاگرا کے پانی ہمیں حیاتی دیتے ہیں، ہماری مٹّی میں پڑے بیج کو وتر دیتے ہیں، ہم اُس میں جاتے ہیں اور وُہ ہم میں اور ایسے وُہ ندی اور ہم ایک ہیں۔ اگر وہ دیوی ہے تو پھر ہم بھی وُہی ہیں جو وُہ ہے۔"

"پورن نے اُسے دیکھا کہ وہ کیسے آرام سے بات کرتا ہے، اس کے مہاندرے پر کہیں ڈر کی سیلاہٹ نہیں۔ "ہم اُنہیں اپنے سے الگ کہاں کرتے ہیں ہم تو اُنہیں اپنے گھروں میں اپنے پاس لے آتے ہیں"

"ہاں تم سانس کو مٹّی اور پتھر کر دیتے ہو۔"

"پُورن نے ورچن کو پھر دیکھا یہ آج کیسے آرام سے بات کرتا ہے، مُجھ سے جان کر، مُجھ سے ایک ایک بات پُوچھ کر اب الگ راستہ بناتا ہے اور ٹوکتا ہے۔ میں اِسے ساتھ لے آیا سند ھو کے

کنارے سے آن جان سمجھ کر اور اب یہ جاننے والا ہے۔ اس کے پاس پوٹلیوں میں وُہ مُہریں منکے اور گہنے تھے جو اس کی بستی کے کسی سمرو نے بنائے تھے اور وُہ ان کے بدلے رنگین پتھر اور سونے چاندی کی ڈلیاں مانگتا تھا۔ کیا یہ صرف اسی لئے اتنے سفر کر کے ادھر آیا ہے، صرف اسی لئے۔

"کیا تم چند پتھروں اور ڈلیوں کے لئے ریت اور رُکھوں کے سفر کر کے ادھر آئے ہو؟"

"ہاں" ورچن مسکرایا "ہاں۔۔۔"

"نہیں۔" پُورن بھی مسکرایا "نہیں۔ تم صرف اس لئے نہیں آئے۔ تم سویرے چلے جاؤ گے، پھر جانے ہم ملتے ہیں کہ نہیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ ہم نہیں ملیں گے۔" ورچن کی مسکراہٹ ہونٹوں پر ٹھہر گئی "پر میں تمہیں اب بتا دیتا ہوں کہ میں پانی اور ریت اور رُکھوں میں سے سفر کر کے یہاں تک کیوں آیا ہوں۔ سُنو، ہم اُدھر ایک پاسے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی ادھر نہیں آتا کہ ہماری بستی میں کسی شے کی تھوڑ نہیں ہے۔ ہمارے لئے وہاں سب کچھ ہے اور ہم بستی کو چھوڑنے کو اچھا نہیں سمجھتے اور پھر یہ ہوا کہ کچھ برسوں سے میں کچھ سُنتا تھا جیسے کبھی کبھار ڈیرہ ڈالنے والے لوگ ادھر کو آتے تھے اور ہم سے لین دین کرتے تھے پر اب یہ لوگ بڑھتے جاتے تھے اور پھر ایسے بھی تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا اور اُن کے پاس اُن پانی کے لئے بھی کچھ نہ تھا اور ان میں سے وُہ ہمیں بتاتے تھے کہ وُہ بھی ہماری طرح ہی بستیوں میں تھے اور پھر اسوا پر بیٹھے ہوئے اونچی ناکوں والے آئے اور اُنہیں وہاں سے باہر کر دیا سُنو پُورن اور وُہ بستیوں کو چھوڑ کر بکھر گئے اور اب اس زمین پر مارے مارے پھرتے ہیں اور اُن کی کوئی بستی نہیں اور وُہ اپنی زمین پر ہی جنوروں کی طرح گھومتے ہیں۔ مجھے پہلی بار ان لوگوں نے بتایا کہ تم آگئے ہو۔ پتہ ہے پُورن کہ تم نے اُن کے اندر ایسا ڈر بھر دیا ہے کہ وُہ تمہیں انسان نہیں کچھ اور سمجھتے ہیں۔ اُن میں سے بہت ساروں نے تمہیں صرف اسوا پر بیٹھے دیکھا تو یہ جانا کہ یہ کوئی نیا جنور ہے جس کی چار ٹانگیں ہیں اور دھڑ سے اوپر انسان ہے اور ہوا سے بھی آگے نکل نکل جاتا ہے۔ وُہ نہیں جانتے کہ تم اور اسوا ایک نہیں ہو۔ اُنہوں نے مٹّی کی مورتیوں میں بھی ایسے جنور بنائے۔ میں نے پہلی بار تمہارے اسوا کو ایک ایسی ہی مُورتی میں دیکھا تھا اور اُس نے میرے اندر بھی ڈر بھر دیا تھا۔ اور تب میں نے سوچا کہ ہم یُوں تو ایک پاسے پڑے ہوئے ہیں اور یہ جو آتے ہیں تو ہری یوپیا سے سیدھے موہنجو چلے جاتے ہیں پر یہ کبھی ادھر بھی آئیں گے اور ہمیں یہاں سے نکال دیں گے تو اس سے پہلے مجھے جا کر

دیکھ آنا چاہئیے کہ وُہ کیسے ہیں اور اُن میں وُہ کیا ہے جو ہم میں نہیں۔"

"اور تم نے دیکھا؟"

"ہاں۔ میں نے دیکھا کہ سمجھ بُوجھ والے ہمیشہ نا سمجھوں سے مار کھاتے ہیں اُن کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں کہ کسی سانس لینے والے کو مارنے کے لئے سمجھ کی نہیں صرف زور کی ضرورت ہوتی ہے۔ جی دار ہونے کے لئے بودن اور بے سمجھ ہونا بہت ہے۔"

"تمہارے جی میں یہی آتا ہے کہ ہم سب جو ادھر آئے ہیں سب کے سب نا سمجھ ہیں اور بودن بیکار ہیں، ہمارے بھیجے خالی ہیں ہم اپنے جتّے کے زور سے تمہاری بستیاں برباد کرتے ہیں اور تمہارے جنوروں کو دھکیل کر آگے لے جاتے ہیں، سب کے سب؟"

ورچن نے ایک گہرا سانس لیا۔ اُس کے تتھنوں میں سُلگتے ہوئے اُپلوں کی باس آئی، جیسے شام ہو اور وُہ اپنی بستی میں ہو اور پاروشنی کی چنگیر کے پاس بیٹھا ہو اور وہ اُپلوں میں پھونکیں مارتی ہو۔ اُس نے ایک اور سانس لیا اور جانا کہ وہ ابھی موہنجو میں ہے جہاں کسی گھر میں کوئی اُپلوں میں پھونکیں مارتی ہے۔

"سب کے سب؟" پورن نے دُہرایا۔

"نہیں سب نہیں۔ تمہارے ساتھ سمجھ بُوجھ والے بھی اُترتے ہیں جو اس زمین کی ندیوں، پہاڑوں، رُتوں اور دیوی دیوتاؤں کے نام بدلتے ہیں۔ یہاں کی بولیوں کو نا سمجھی کی بولیاں کہتے ہیں پر انہی کو اپنی بولی میں گھول کر نئی بولی بناتے ہیں۔ نہیں تم میں سمجھ والوں کا تو کال نہیں پر اُن کی سمجھ تمہارے ہاتھوں میں پکڑی کالی دھات کی طرح ہمیں ہی کاٹتی ہے۔ تمہاری سمجھ اور کالی دھات اور اسوا سب ایک ہیں۔"

رات کے پچھلے پہر ہوا اُدھر سے آئی جدھر کو سندھو تھا اور سندھو کے پانیوں پر سے آتی ہوا میں پالا بہت تھا۔ اور اِس پالے کی کاٹ سے وہ کروٹیں بدلتے تھے اور سوتے نہ تھے۔

"میں تمہیں شائد کبھی ملنے آؤں۔" پُورن کہنے لگا۔

"نہیں۔" ورچن نے فوراً کہا "اِسی لئے تو میں یہاں آیا ہوں تاکہ تم وہاں نہ آسکو"

"بودن اور بے سمجھ ہو تم۔" پُورن اُٹھ کر کھاٹ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں بازوؤں پر ہولے ہولے چلائیں تاکہ اُن کا ٹھٹھرا ہوا ماس کچھ گرم ہو "مُجھ میں اور اُن میں جو فرق ہے تم دیکھتے ہی نہیں۔ میں یہاں کا ہوں اور یہیں رہوں گا اسی دھرتی پر کیونکہ یہ دھرتی میری بھی ہے۔ تم جو چاہے کرو، مُجھ پر ناک چڑھاؤ، تھوک ڈالو میں یہیں رہوں گا۔ وہ جو کھیتیاں اور

بستیاں اُجاڑتے ہیں میری نسل کے ہیں پر میں تو نہیں۔ میری نسل کے وہ لوگ جو سب سے پہلے پہاڑوں سے اُترے تھے اُنہیں اُترے ہوئے کتنے بے انت برس ہوئے۔ اب اُن کی آل اولاد ایک سے دو اور دو سے چار اور چار سے بے انت ہوئی اور اب کھیتیاں کھودتی ہے تو یہ کہاں جائے گی؟۔ جدھر سے ہم آئے ہیں اُدھر تو بھوک اور سخت رُتوں کی مار ہے ہم اُدھر تو واپس نہیں جائیں گے۔ اور بولو تم کہاں کے ہو؟ یہاں کے ہو تو کب کے ہو؟ جب یہاں کی سات ندیاں پہلی بار پہاڑوں سے اُتریں اور انہوں نے میدانوں میں اپنا اپنا راستہ بنایا تو تم یہاں تھے؟ نہیں یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا، تم بھی تو کہیں اور سے اِدھر آنکلے تھے۔ بس ایسے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ راستہ ہوتا ہے تو اُس پر اور پاؤں بھی چلے آتے ہیں۔ اُدھر دیکھو۔" پُورن نے موہنجو ڈارو کی رات میں چُپ چھتوں کی طرف ہاتھ کیا "دیکھو اُدھر سندھ تک تمہاری اس بستی کی ساری چھتیں بالکل سپاٹ اور بالکل سیدھی ہیں اور کہیں کوئی رکاوٹ نہیں، جیسے ایک پکّا میدان ہو۔ یہاں سے وہاں تک۔۔ یہاں سے اس گھر کی چھت سے اگر میں گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے ایڑھ لگاؤں تو وُہ اس کی تنگ گلیوں پر سے پھلانگتا سارے موہنجو کی چھتوں کو روندتا سندھ کے پاس جا رُکے گا۔ تمہاری بستیاں ایسی ہیں اور تمہاری چھتیں ایسی ہیں اور تمہاری زمین ایسی ہے کہ اسے گھوڑے روند سکتے ہیں۔ اس میں ہمارا دوش نہیں۔۔۔"

پھاگن کے اخیر کی ہوا میں پالا کاٹتا تھا اور ورچن سندھو میں ہولے ہولے ہلتی کشتی میں اپنے آپ میں اکٹھا ہوتا جاتا تھا، ہوا بدن کو سکیڑتی تھی اور وُہ گھٹنوں میں سر دیئے کانپتا تھا۔ وُہ گھٹنوں میں سر دیئے ایک کونے میں بیٹھا تھا اور کشتی ہولے ہولے ہلتی سندھو میں تیرتی تھی۔

ابھی مُنہ اندھیرا تھا۔ جب وہ دونوں گھاٹ پر آ گئے تھے۔

گھاٹ پر وُہ کپڑا بنانے والوں کے گھروں والی گلی میں سے ہو کر آئے۔ گھروں کے اندر کھڈّیاں چلتی تھیں، تانے اور پیٹے چلتے تھے اور اُن کی آواز موہنجو کی سویر میں گونجتی تھی۔ ورچن جب کبھی ادھر کو آتا تو رُکتا اور سُنتا۔۔ دھاگے کی نالی جب تیرتی ہوئی سُوت کے بیچ میں سے گُذرتی اور ہاتھ چھاج کو ایک دھچکے سے اُس ایک دھاگے کو بُنے ہوئے کپڑے کا ایک حصّہ بناتے تو اِس دھچکے سے کھَٹ کی آواز آتی۔ وہاں بہت ساری کھڈیاں تھیں اور اُن سب کی آواز مل کر موہنجو کے اندر ہی اندر کھَٹ کھَٹ کرتی گُم ہوتی رہتی تھی۔ ورچن اس گُم ہوتی کھَٹ کھَٹ کے لئے وہاں رُکتا اور سُنتا۔ اُس نے اِس لَے کو ساری رُتوں میں سُنا۔ گرمیوں میں یہ کھٹ کھٹ پسینے سے بھیگے بدن پر پھسلتی۔ پالے کی رُت میں یہ بندے کے اندر ٹھٹھّی ہو کر بیٹھتی جاتی۔ برساتوں میں مدھم ہو جاتی اور چاند کا تھال جب پُورا ہوتا تو زمین کو چھوڑ کر اوپر ہی اوپر اُٹھتی جاتی۔۔ اُس کی کشتی سندھو میں تیرتی تھی پر اُس کے کانوں میں چپوؤں کی شپاشپ کی بجائے ابھی تک کھَٹ کھَٹ چل رہی تھی۔

وُہ پچھلی رات اچھی طرح سوئے نہیں تھے اس لئے سویر اُن کے دیکھتے دیکھتے آئی۔ پُورن نے اُسے کُچھ کپڑا لتّا اور مُہریں دیں کہ وہاں رواج تھا کہ جاتے ہوئے کوئی نہ کوئی سوغات پوٹلی میں باندھ دی جاتی تھی۔ گھر سے باہر ہوئے تو چوکھٹ پر ایک پنجرہ رکھا تھا جس میں ایک رانگلا پرندہ اونگھتا تھا۔ گھاٹ پر پہنچ کر پُورن نے پنجرہ اُس کے سامنے رکھ دیا جس میں اپنے رنگ برنگے پروں کو سنوارتا پرندہ کبھی حیرت سے کشتی گھر کے ساتھ لگی بڑی کشتی کو دیکھتا تھا "یہ بھی تمہارے لئے ہے"

"اِسے میں رُکھوں، ریت اور پانیوں میں کہاں لئے پھروں گا۔ نہیں میں اس کا دھیان نہیں رکھ سکوں گا تم اِسے واپس لے جاؤ"

"پر یہ سوغات ہے، ہمارا رواج ہے۔"

تمہارا رواج ہے میرا تو نہیں۔"

"دُکھ تمہارے اندر بیٹھ گیا ہے۔" پُورن مسکرایا "تم یہاں کے پرندے کو بھی اپنی بستی میں لے کر نہیں جاتے"

"پرندے وہاں مرنے کے لئے جاتے ہیں۔ جھیل کے کنارے اُن کی ہڈیوں سے اونچے ہوئے ہیں۔ تم کہتے ہو تو لے جاتا ہوں۔"

ملّاحوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر پار جانے والے مسافروں کو پُکارا۔

"میں نہ سہی میری آل اولاد میں سے کوئی اُدھر تمہاری بستی کو جائے گا"۔

"تب میں نہ ہوں گا۔" ورچن نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر سہلایا اور پھر اُس کے لئے دل میں اچھا محسوس کیا اور اُس کی گرمی پر ٹھنڈے پانی بہے اور اُسے دُکھ ہوا کہ وُہ اُسے چھوڑتا ہے جس نے اُسے موہنجو میں چھت دی تھی اور وُہ کچھ بتایا تھا جو وُہ نہیں جانتا تھا اور اُسی جاننے کے زور میں وُہ اس کے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ بانس کی سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہوئے اُسے لگا کہ ابھی پُورن اُس کے پاؤں کو دیکھ رہا ہو گا اور اُس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ وہ دیکھتا ہے یا نہیں اور کشتی میں جا بیٹھا۔ کشتی میں پھاگن کے اخیر کی ہوا میں پالا کاٹتا تھا۔

ورچن گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا اور کبھی کبھار سر اُٹھا کر پرے ہوتے موہنجو کی طرف دیکھتا جس کی ہموار چھتیں سویر کی کم روشنی میں ہولے ہولے سرکتی تھیں اور لوتھل جو ایک بڑے گھاٹ والی بستی تھی اور سمندر کے مُنہ میں تھی وہاں سے ایک بڑی کشتی آتی تھی اور موہنجو کو آتی کشتی گھر کے ساتھ ساتھ ہوتی جا رہی تھی۔

ڈور مگانے گھٹنوں میں سے تھوڑا سا سر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ پر ایسے کہ کوئی اُسے نہ دیکھے۔ سندھو کے پار جانے والے بس تھوڑے سے لوگ تھے اور سندھو کے پار جا کر کسی نے کرنا بھی کیا تھا۔ اِدھر تو موہنجو تھا اور اُدھر پار پتہ نہیں کیا تھا، رُکھ اور ریت اور ندیاں تھیں۔ ہاں کسی نے اُسے بتایا تھا کہ اُدھر پار آدھے برس کے چلنے سے ہری یوپیا آتا تھا جو موہنجو جتنا تو نہ تھا پر ایسا ہی تھا۔ تو اِدھر موہنجو تھا اور پار کچھ نہ تھا اب ہر کوئی تو ہری یوپیا نہیں جانتا تھا تو پھر جا کر کسی نے کیا کرنا تھا، رُکھوں کے اندھیروں میں گُم ہو، ریتوں میں بھوکا پیاسا مرے اور ندیوں میں ڈوبے

کیا کرے؟ موہنجو کو چھوڑ کر کون جاتا تھا۔۔۔ پر ڈور گا جا رہا تھا۔
یہ پہلے پانی تھے جو وُہ دیکھتا تھا اور پہلی کشتی تھی جو اُسے پار لے جاتی تھی۔
اُس نے پھر تھوڑا سا سر اُٹھا کر اپنے آس پاس دیکھا۔ سندھو کے پار جن کی کھیتیاں تھیں، چند واہک تھے اور اُن کے مہاندرے ترسے ہوئے تھے اور لگتا تھا کہ وہ بھی اندر سے کڑھتے ہیں۔ چند عورتیں تھیں جو پالے سے بچنے کے لئے مُنہ سر لپیٹے بیٹھی تھیں۔ ایک بچّہ تھا اور وُہ جس کی گود میں تھا وُہ اپنی ٹھٹھرتی ہوئی چھاتی اُس کے مُنہ میں رکھتی تھی پر اُس کا مُنہ بند نہیں ہوتا تھا کہ وُہ بے سُدھ تھا اور تھوڑا اکڑا ہوا تھا اور اُس پر نیر گرتے تھے۔ جانے یہ دونوں پار کیوں جا رہے تھے۔ اور اُدھر رسّوں کے ڈھیر کے پاس گُھٹنوں میں سر دیئے ایک اور مسافر تھا جسے پھاگن کے اخیر کی ہوا کاٹتی تھی۔ یہاں کشتی کے پچھلے حصّے کے مسافر تھے، اگلے حصّے میں اونچی ناک والے بیٹھے تھے یا بیٹھ سکتے تھے۔ وُہیں سے کوئی ہولی آواز میں سندھو کے گُن الاپتا تھا اور کبھی کچھ سنائی دے جاتا اور کبھی آواز پھاگن کی ہوا میں تیرتی دُور ہو جاتی۔

"سات ندیوں میں سے۔۔۔

سندھو ہے جو سب میں سے شاندار ہے"

ڈور گا کو جب پہلی ہوا لگی تھی اور اُس نے پہلا سانس لیا تھا اور وُہ ابھی گیلا ہی تھا تو اُس کی میّا نے اُسے بھٹّی کے الاؤ کے سامنے رکھ کر سُکھایا تھا اور اُس بھٹّی میں وُہ اینٹیں پکی اور سُرخ ہوتی تھیں جو سندھو کے کنارے کی ڈوبو مٹّی سے بنتی تھیں بلکہ جنہیں ڈور گا کی میّا اور باوا اور انگ ساک بناتے تھے اور بناتے چلے آئے تھے تب سے جب سے موہنجو والوں نے جانا کہ کچّی اینٹ کی دیوار یا بند بڑے پانی آنے پر گُھل جاتے ہیں اور اگر اُس اینٹ کو بھٹّی میں چڑھا کر پکا لیں تو وُہ پتھر سے بھی آگے ہو جاتی ہے کیونکہ پتھر سانس نہیں لیتا۔ موہنجو یہ تو نہیں تھا جو اس سمے کشتی سے پَرے پَرے ہوتا دِکھتا تھا، اس کے نیچے جانے کتنے موہنجو دبے ہوئے تھے جو ڈھے گئے اور اُن کے ٹیلوں پر نت نئے موہنجو بنتے گئے۔ اور اُن ساری دیواروں میں، تالابوں اور کنک گھروں اور ویہڑوں اور گلیوں میں، نالیوں اور کنووں میں جو اینٹیں تھیں اور ہزار برس پہلے جب موہنجو بنا تھا اور پہلی اینٹ رکھی گئی تھی اور وُہ اینٹیں جو اب زمین کے اندر تھیں اور اُن کے اوپر جو موہنجو کی بستی اب تھی اس کی بھی اینٹیں۔ یہ سب ڈور گا نے بنائی تھیں۔ اُس نے ان کو بنایا تو تھا پر ان کو دیکھا نہ تھا۔ اُس نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ جب اینٹ پر اینٹ جوڑی جاتی ہے تو کیا کیا مہاندرے بنتے ہیں، ان کی دیواریں کیسی ہوتی ہیں اور گھر اور گلیاں کیسے لگتی ہیں اور ایک پُوری

بستی کیسی ہوتی ہے کیونکہ وُہ اور اُس کے انگ ساک جو پچھلے ہزار برس میں اِن اینٹوں کو اپنے ہاتھوں سے بناتے تھے اور جُتوں پر ڈھوتے تھے، کبھی بھٹّے کی اونچی چار دیواری سے باہر نہیں گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنا پہلا اور آخری سانس اُس کے اندر لیا تھا۔ وُہ وہیں پیدا ہوئے تھے اور اُنہیں جننے والیوں نے اُنہیں بھٹّی کے الاؤ کے سامنے رکھ کر سُکھایا تھا اور وُہیں مرتے تھے اور اُنہیں کچّے برتنوں میں بند کر کے وُہیں کہیں دبا دیتے تھے، تو وہ مر کر بھی باہر نہیں جاتے تھے۔ ہزار برس پہلے ڈور گا کے کسی بڑے کو اینٹوں کے بھٹّے کے کسی مالک نے کسی کھیت میں جُھکے دیکھا تھا تو کہا تھا، اِسے چھوڑ میں تمہیں ڈھنگ کا کام دیتا ہوں اور رہنے کو چھپّر اور اَن پانی۔ اور کام ہو نہ ہو اَن پانی ملتا رہے گا۔ اور ڈور گا کا وہ وڈیرہ بُھوک کا ستایا ہوا تھا اناج کبھی سُوکھتا تھا اور کبھی ڈوبتا تھا اور اُس کے بال بچّے سُوکھتے تھے اور مرتے تھے اور وُہ اَن پانی کا ترسا ہوا کھیت چھوڑ کر اپنے جیا جنت کے ساتھ اُس چار دیواری کے اندر آگیا جہاں اینٹیں بنتی تھیں اور بھٹّی چڑھتی تھی اور پھر پورے ہزار برس وُہ اُس سے باہر نہیں نکلا آج ڈور گا نکلا۔

بھٹّے والوں کا ڈھنگ عجیب تھا، وہ اَن پانی دیتے اور رہنے کو چھپر دیتے اور پُورا بال بچّہ اور بڑے بُوڑھے کام میں جُتے رہتے، سویر کرتے اور شام کرتے اور اتنا کام کرتے کہ ان کی ہڈیاں بڑی شتابی سے ڈھیلی اور نرم ہو جاتیں۔ اور اَن پانی بھی نِرا اتنا ملتا جس سے سانس آتا جاتا رہے اور بس۔ اور بھٹّے کا کام کاج بڑا کٹھن تھا، رَت کو نچوڑ کر اُس کی سُرخی کو کالک میں بدلنے والا کام۔ سُرخی اینٹوں میں چلی جاتی اور کالک جُتّے پر ملی جاتی۔ ڈور گا کی بھی سب لوگوں کی طرح ایک میّا تھی مامن اور چاپُو تھے پر کچھ ٹھیک سے پتہ نہ تھا۔ کسی کو بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ کون کس کا کیا ہے۔ وہ سب وُہیں تھے بھٹّے کے اندر اور ایک دُوسرے کے کچھ نہ کچھ لگتے تھے۔ ڈور گا کو وہ سویر یاد تھی جب اُسے بچوں میں سے نکال کر بڑوں کا کام دیا گیا تھا۔ چار دیواری کے اندر ایک کھیت تھا جس پر پالے کی سفید کڑکڑاتی چادر تھی اور اُس کے ہاتھ میں ایک کسّی دی گئی کہ یہ کھیت اُس گارے کا ہے جو ٹھنڈی رُت میں بنا تھا اِسے کسّی سے اُٹھا کر اینٹوں کے سانچوں میں ڈالتے جاؤ۔ اور جب ڈور گا نے کسّی اُٹھا کر پورے زور سے گارے پر ماری تھی تو اُس کے ہاتھ ٹوٹتے بچے اور کسّی اُس کی پکڑ سے چُھوٹ کر دُور تک کھڑکتی چلی گئی پالے کی سفید چادر پر۔ گارا اُوپر اُوپر سے بالکل جما ہوا تھا۔ تب اُس نے دانت بھینچ کر کسّی کے دَستے کو زور سے تھاما، ہوا میں اُوپر کی اور گارے پر چلائی اور اُس کی ہڈیاں کڑکڑائیں اور کان جیسے پھٹنے کو آئے پر کسّی تھوڑی سی گارے کے اندر چلی گئی پر پُوری کی پُوری نہیں۔ کئی روز تک اُس کے ہاتھ ٹوٹتے رہے اور

ہتھیلیوں پر چنڈیاں پڑ گئیں تب جا کر وہ گارے کے اُس کھیت کو تھوڑا سا کھود کر سانچوں میں ڈال سکا اور مالک نے اُس کا اَن پانی آدھا کر دیا۔ جب پالے کے دن گئے تو اُس نے مالک کے پاؤں تلے کی مٹی کو رو رو کر کیچڑ کیا اور کہا کہ مجھے گارے سے ہٹا لو میں سانچے بھروں گا تو اُس کو ادھر کر دیا گیا جدھر سانچے بھرتے تھے۔

کشتی بہت ہولے ہولے جا رہی تھی پر موہنجو کی آوازیں اب یہاں تک نہیں پہنچ پاتی تھیں۔

لکڑی کے سانچے جن میں دس اینٹیں ایک بار بنتی تھیں بڑے بھاری تھے۔ ڈور گا اِس سانچے کو گارا ڈالنے والے کے سامنے رکھتا اور جونہی وہ کسّی سے گارا اُٹھا کر سانچے میں بھرتا تو وُہ اُسے دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر بھاگتا ہوا اُس میدان کی طرف جاتا جہاں دُھوپ میں ان گنت اینٹیں سُوکھتی تھیں۔ وہاں پہنچ کر وُہ بھاری سانچے کو اُلٹا کر اُسے دھچکا سا دیتا اور پھر اٹھاتا تو دس اور گیلی اینٹیں دھوپ میں سُوکھنے لگتیں۔ وُہ سانچے کو اُٹھا کر سر پر رکھتا اور دوڑتا ہوا واپس آتا۔ یہاں وہ سانچے کو ریت کے ایک ڈھیر پر رکھ کر اپنی ہتھیلیوں سے ریت سمیٹ سمیٹ کر اُس میں بھرتا اور پھر فوراً ہی اُسے اُلٹا کر خالی کر دیتا۔ یُوں اینٹوں کے سانچوں میں گیلی لکڑی پر تھوڑی سی ریت لگ جاتی اور جب گارا اُن میں ڈالا جاتا تو وُہ لکڑی کے ساتھ چمٹنے کی بجائے پُوری کی پُوری اینٹ کی شکل میں آرام سے باہر آ جاتا۔ ریت کے بغیر گارا اندر ہی رہتا اور اگر باہر آتا تو اینٹ کی بجائے کیچڑ کی صُورت میں گرنے لگتا۔ سو وُہ سانچے میں ریت بھر کر اُسے اُلٹ کر پھر کسّی والے کے سامنے رکھتا جو فوراً ہی اُسے پھر گارے سے بھر دیتا۔ سانچہ اُٹھا کر وہ اندھا دھند بھاگنے لگتا۔ اینٹیں دھوپ میں اُلٹاتا ساری ریت بھر کر سانچہ اُلٹاتا اور پھر ڈور گا ساری حیاتی یہی کرتا رہا۔ کبھی کبھار اُسے بھٹّی پر الاؤ کو دھیما رکھنے پر بھی لگا دیا جاتا۔

یہ کون ہے جو سامنے کشتی کے ایک کونے میں گھٹنوں میں سر رکھے بیٹھا ہے، ورچن نے سوچا۔

باہر کے لوگ موہنجو کے ڈوبو پانی میں اُگے سرکنڈوں اور جھاڑیوں کو اندر لے آتے۔ اُپلوں کے کھرپے بھی لاتے جو بھٹّہ چڑھانے میں کام آتے۔ جب سندھو میں بڑے پانی آتے تو اوپر سے رُکھوں کے تنے بھی بہتے ہوئے آ جاتے اور ان سے بھی بھٹّہ گرم ہوتا۔ ہر برس بھٹّے کا مالک دس بارہ زور آور مردوں کو اُوپر بھیجتا۔ وہ سندھو کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہاں تک جاتے جہاں گھنے رُکھوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور پھر اُدھر سے رُکھوں کو کاٹ کاٹ کر سندھو میں

ڈالتے رہتے جن میں سے تقریباً آدھے موہنجو تک پہنچ جاتے۔ ہر بھٹے والے نے اپنے اپنے لوگ بھیجے ہوتے اور وُہ سب اپنے اپنے رُکھوں پر خاص نشان کھود کر سند ھو میں ڈالتے تاکہ یہ پتہ چلے کہ کونسا رُکھ کس کا ہے۔ ان میں سے کم تھے جو واپس آتے۔ پر یہ بھی باہر کے لوگ ہوتے، چار دیواری کے اندر والے ہمیشہ اندر رہتے۔ یُوں ڈور گا نے سُنا تھا کہ جب موہنجو میں پہلی اینٹ پکائی گئی تو سند ھو کے کنارے رُکھ اتنے گھنے اور بہت تھے کہ دن کو بھی شام ہوتی تھی اور وہ سب دور تک سیاہی لے کر پھیلتے تھے۔ تبھی تو اُن کی مُہروں پر ہاتھی اور گینڈے کی شکل تھی جو ڈور گا نے تو دیکھے نہیں تھے کہ وہ اب تھے نہیں۔ رُکھ ختم ہوئے تو وہ بھی ساتھ میں ختم ہو گئے۔ ڈور گا اُنہیں کیسے دیکھتا؟ وُہ بھٹے سے باہر جا سکتا تو اُنہیں دیکھتا۔ پھر دھیرے دھیرے اُس کی ہڈیوں کا زور سُوکھنے لگا اور اُس کے ہاتھ کانپنے لگے اور دانت کم ہونے لگے اور ایک سویر وہ چھپّر سے باہر آکر سیدھا ہونے لگا تو نہ ہوا، اُس نے سر اُٹھانا چاہا تو وہ بھی نہ ہوا اور اُس نے جان لیا کہ جو ہونا تھا وُہ ہوا اور وُہ جُھک گیا ہے، آخر کو ہزار برس کا بوجھ وہ سہار نہ سکا اور اُس کی کمر میں جُھکاؤ آ گیا۔ عمر بڑھنے سے اور جُھکنے سے وُہ وڈیرہ ہو گیا اور اُسے بھٹہ بنانے کے کام پر لگا دیا گیا، کچّی اینٹوں کو نیچے اُوپر ایسے جوڑنے پر کہ جب الاؤ کی آنچ چڑھے تو ایک ایک کو پہنچ کر سُرخ اور پکی کرے۔۔۔ پچھلے ہزار برس میں وُہ پہلا تھا جو باہر آیا۔

وُہ سب جو جُھک چکے تھے اور جُھکنے والے تھے وُہ سارا وقت مالک کے ہاتھ کے نیچے اس طرح رہتے کہ مالک اُنہیں مینہ برسنے پر بھی اَن پانی اور چھپّر دیتا۔ مینہ برسے تو نہ اینٹ کے لئے گارا بنتا ہے نہ وہ سوکھتی ہے اور نہ بھٹہ چڑھتا ہے۔ اور جب بادل پرے ہوتے اور دھوپ آتی اور وُہ کام پر لگتے تو وُہ کہتا تم نے اتنے روز ہاتھ پر ہاتھ دھر کر میرا اَن پانی کھایا چھپّر تلے سوئے اور میرا دیا ہوا کپڑا لتا پہنا تو اب اس کے لئے تمہیں دو مہینے اور کام کرنا ہو گا اور اس سے پہلے تمہاری طرف تین برس ہیں اور اب تین برس اور دو مہینے کام کرو گے تو حساب پورا ہو گا۔ یہ حساب کبھی پُورا نہ ہوا۔ ایک ہزار برس گذر گئے اور پُورا نہ ہوا۔ بچّہ پیدا ہوتا اور ابھی اُس کا ناڑو نہ کٹتا تو اُس پر بوجھ پڑ جاتا کہ اس کے حصّے میں اتنے برس اور اتنے مہینوں کا کام ہے اور یہ برس اُس کے کُل سانسوں سے بھی زیادہ ہوتے تو وُہ بوجھ کیسے اُترتا۔ یہ نسل کے آگے بڑھنے سے بڑھتا جاتا۔ ہے ناں اچنبھے کی بات کہ جو اَن پانی اُس کے بڑوں نے پتہ نہیں کھایا بھی تھا کہ نہیں ڈور گا اُس کے لئے جب پیدا ہوا تو جنور ہو گیا اور کام کرتے کرتے کستی ہو گیا پر بوجھ نہ اُترا۔

دراصل پچھلے ہزار برس میں وُہ پہلا تو تھا جو باہر آیا پر نہیں بھی تھا۔ وہ جو چار دیواری کے

اندر سانس لیتے تھے اور مرتے تھے اُن میں سے اکثر اِس سوچ سے پَرے تھے کہ اس چار دیواری سے باہر بھی کچھ ہے۔ ہاں کبھی کبھار کسی ایک کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑتا کہ باہر بھی تو کچھ ہونا چاہیئے اگر نہ ہوتا تو ہمیں اُسے دیکھنے سے روکا نہ جاتا۔ مالک اُنہیں ڈراتا کہ تم اِدھر ہو تو تمہیں کوئی ڈر نہیں باہر نکلو گے تو سوائے ڈر کے اور کچھ نہیں۔ اور وُہ کوئی ایک چوری چُھپے چار دیواری میں سے نکلتا اور اپنے آپ کو موہنجو میں گُم کر لیتا پر ایک دو روز میں بھٹے والے کے کامے ڈھونڈتے بھالتے اُسے پکڑ لاتے اور اُس کا حال بُرا ہوتا۔ یوں بھی موہنجو میں وُہ گُم کیسے ہوتا، اُس کا مہاندرا الگ سے دکھائی دیتا، اُس کی کالک سے گلیاں کالی ہو جاتیں اور وُہ پکڑا جاتا۔ اور وُہ جُھکا ہوا ہوتا یہ بھی اُسے الگ دکھائی دے جانے کے لئے کافی تھا۔ ویسے وہ جو آنکھیں بند کر کے ہاتھ جوڑے بیٹھتے تھے وُہ بھی تو اُن کے ساتھ نہیں تھے، وُہ کہتے کہ اگر مالک کا اَن پانی کھایا ہے، کپڑا لتا لیا ہے تو اُن کا کام بھی کرو اور اُنہیں واپس لاکر پھر سے کام میں جوت دیا جاتا۔ ہاں ایسا بھی ہوتا کہ کبھی کوئی وہاں سے نکلتا تو موہنجو نہ جاتا کشتی پر بیٹھ کر پار چلا جاتا اور وُہ تو بہت جلد خود ہی لوٹ آتا، اپنے گھٹنوں پر گھسٹتا ہوا، منتیں کرتا کہ میں کبھی نہ جاؤں گا، سندھو کے پار تو بس رُکھ ہیں اور ریت ہے اور نہ کچھ کھانے کو اور نہ پینے کو اور اس کے باوجود ڈور گا سندھو کے پار جا رہا تھا۔ اُس کا سر گھٹنوں میں تھا اور پھاگن کی ہوا اُس کے جُثے میں حیاتی بھرتی تھی۔ جو سویر ہونے کو تھی اُس میں اُسے اینٹیں نہیں جوڑنا تھیں۔ رُکھوں میں گُم ہو کر موہنجو اور اس کے بھٹوں سے دُور ہونا تھا اپنے آپ کو ایک ہزار برس سے دُور لے جانا تھا۔

ورچن نے پھر اپنے سامنے بیٹھے اُس بندے کو دیکھا جو کبھی کبھار گھٹنوں سے سر اُٹھا کر موہنجو کو تکتا تھا پر اُس کے چہرے پر رنج تھا تو سہی پر جانے کا نہیں، بچھڑنے کا نہیں تھا۔ اُس کے اور موہنجو کے بیچ کچھ تھا جو کشتی بھی اُن دونوں کو ایک دوسرے سے پَرے کرنے کے لئے زور لگاتی تھی۔ وُہ ورچن ایسا ہی تھا، آنا سا تھا پر اُس کی شکل مُورتیوں ایسی سخت پتّھر تھی جیسے زیادہ آگ دینے سے اینٹ کھنگر ہو جاتی ہے۔

ہوا کا بہاؤ بدلا تو وہ آواز جو دُور تیرتی تھی قریب آگئی۔ کشتی کے اگلے حصّے میں کوئی تھا جو سندھو کو دیکھتا تھا اور جو کہتا تھا ورچن کے کانوں میں آتا تھا۔۔۔۔ تم زمین کے خطرناک کناروں پر سے گرجتے گزرتے ہو اور تم بڑے پانیوں کے بڑے ہو اور اُنہیں راستہ دکھانے والے ہو۔ سندھو تمہاری گرج زمین سے اُٹھ کر آسمانوں تک جاتی ہے۔۔۔ جیسے گرجتے بادلوں میں

سے مینہ بڑے پانیوں کی طرح گرتا ہے ایسے سندھو ایک بیل کی طرح ڈکراتا ہوا بہتا چلا جاتا ہے۔۔ اور جیسے مائیں بچھڑوں کی طرف، دودھیل گائیں دُودھ کے ساتھ ایسے شور مچاتے دریا تمہاری طرف آتے ہیں۔۔ تم ایک جنگجو بادشاہ ہو جس کی یہ فوج ہے جب تم ان دریاؤں کو ساتھ لے کر آگے آتے ہو۔ اس دھرتی پر اپنا سایہ کیجئو اے گانگا، یمونا، شتدری پاروشنی اور سرسوتی۔

ورچن نے گھٹنوں سے سر اُٹھایا۔ پاروشنی؟ اُس کا نام یہاں سُن کر وُہ پھر ترسا اور اب وُہ پاروشنی کی باس کے لئے ترسا۔

۔۔۔ اور اَسکنی کے ساتھ، وِتستا، مارودوِردھا، ارجیکیا اور سوشوما دریاؤ تم میری پُکار سُنو۔۔ اور سندھو کے ساتھ کُوبھا، کُرومو اور گومتی۔۔۔ اے سندھو، اے سندھو۔۔۔

ہوا کا بہاؤ پھر بدلا اور ندیوں اور دریاؤں کو پکارنے والے کی آواز کشتی سے پرے ہو گئی۔

اُس نے پاؤں میں رکھی پوٹلی کی گانٹھ کھولی اور اُس میں ہاتھ ڈال کر اِدھر اُدھر ٹٹولا۔ تانبے کا چوکور ٹکڑا اُس کی اُنگلیوں میں آیا اور اُس کا انگوٹھا اُس پر سے پھسلا کیونکہ وُہ لِشکتا تھا اور اِس میں شکل دِکھتی تھی اور یہ پاروشنی کے لئے تھا۔ اُس نے اُسے پوٹلی میں سے نکالا پر ذرا جُھک کر دیکھا اور اُس میں اپنے آپ کو دیکھا۔۔ اُس کے چوڑے ماتھے پر سلوٹیں تھیں جیسے بارش کے بعد کچی دیوار پر بنتی ہیں اور سر کے اور داڑھی کے گھنگھریالے بالوں میں سفید لکیریں تھیں جیسے وُہ کلّر میں سے گذرا ہو اور اُس کی شکل کے پیچھے موہنجوڈارو کی بستی آہستہ آہستہ گُم ہوتی تھی اور آسمان پر سویر کی سفیدی بڑھتی تھی۔ وُہ اپنے آپ کو دیکھتا تھا کہ ایک زور کا دھچکا لگا۔ کشتی والوں نے لامبے بانس پانی میں سے اُٹھائے تھے اور وہ ریت کے ایک ٹاپُو میں دھنس گئی تھی۔ اس کنارے پر گھاٹ نہیں تھا کہ ادھر کو کون آتا تھا اور اگر کوئی آئے تو کہاں جائے۔ ورچن نے لشکتے تانبے کو پوٹلی میں رکھا۔۔۔ پالا اب کم ہو چکا تھا اور ہوا میں ٹھنڈک بنی تھوڑی تھی۔ کھیتوں میں کام کرنے والے ہاتھوں میں کھیتی باڑی کے اوزار لئے اور روٹی کی پوٹلیاں اُٹھائے کشتی سے اُترنے لگے۔ اُس نے بچّے کے اکڑے ہوئے جسم کو سینہ کے ساتھ لگایا اور وُہ بھی اُتر گئی۔ ورچن بھی اٹھا اور وہ پلٹ کر موہنجو کو دیکھنے کو تھا کہ پھر اُس نے نہیں دیکھا اور سر جھٹک کر بانس کی سیڑھی پر آگیا۔ وہ عورت اپنے بچّے کے ساتھ کھیتوں میں جا رہی تھی اور پھر وُہ بیٹھ گئی، پتہ نہیں کیوں۔ وُہ نیچے اُترا سر جھکایا اور کشتی سے دور ہونے لگا اور اُس نے اپنے پیروں کو چھتی اُس سفید مٹّی کو دیکھا جو کلّر تھی اور جو سندھو کے کناروں کو چاٹتی تھی۔ یہ کلّر دھیرے دھیرے کھیتوں میں پھیل رہا تھا اور اسی لئے ساری کھیتیاں سندھو سے بہت ہٹ کر تھیں۔

ایک سویر ایسی بھی تھی جب وُہ رات بھر پینڈا کرتا آیا تھا اور تھکن سے چُور اِسی کلراٹھی زمین پر گرا تھا اور پھر اُٹھا تھا اور اُس ٹاپو کے ساتھ کھڑی کشتی میں جا گرا تھا۔ اور پھر کشتی ڈولتی ہوئی چلی اور وُہ بے سُدھ پڑا رہا اور پھر سویر کی ٹھنڈک نے اُس کا سانس ٹھیک کیا اور وُہ اُٹھ کر بیٹھا اور سر اُٹھا کر سامنے دیکھا تو اُسے سامنے موہنجو اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وُہ یہاں کیا کرنے آیا تھا؟ بس وُہ آیا تھا اور اب جا رہا تھا۔۔۔ اور دوسرے کنارے پر بیٹھے کے ساتھ والے میدان میں پُورن اپنے اسوا کو سدھا رہا تھا۔ پھر اُس نے جو دیکھا جدھر دیکھا پُورن کی نظر سے اور اُس کے کہنے سے دیکھا۔ اور پھر وُہ خود دیکھنے لگا پر اس میں وقت لگا۔ اور اُس نے جو کچھ دیکھا تھا اُسے دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھیل کر بڑی ہو گئی تھیں۔۔ حیرت سے اور ڈر سے۔ وُہ سب وہاں گھاگرا کے کنارے آلکس اور آرام سے زندگی کرتے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کئی سو برسوں سے اونچی ناک والے ادھر کو آتے تھے اور اپنے اسوا پر بیٹھ کر آتے تھے اور پھر یہیں بَس جاتے تھے۔ اُنہوں نے باتیں سُن رکھی تھیں پر اُن کو پکّا پیڈا پتہ نہیں تھا کہ یہ اونچی ناک والے کیا ہیں اور کیسے ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ اب ورچن نے اُنہیں بتانا تھا۔

سُورج اُس کے سامنے ہوا تو سویر کی ٹھنڈک بالکل ختم ہو گئی۔۔ پر وُہ سر جھکائے چلتا رہا۔ اور جب سُورج اوپر ہوا تو سندھو کے ڈوبو پانی میں اُگے سروٹوں میں سے پکھیرو نکلے اور اُن کے پَر روشنائی سے رِشکتے چاندی ہوئے اور اُن کا شور ورچن نے سُنا۔ وُہ جانتا تھا کہ اگر وہ سندھو کے پار آکر ناک کی سیدھ میں چلتا جائے تو آخر کو شتدری کے سامنے آنکلے گا پر اس میں کچھ خطرہ تھا۔ اگر اُس کی ناک کی سیدھ ٹھیک نہ ہوئی تو۔ وُہ مُسکرایا۔ وہ آنا سا تھا اور اُس کی ناک ہی نہیں تھی تو پھر وُہ اُس کی سیدھ میں کیسے چل سکتا تھا۔ دوسرا راستہ یُوں تھا کہ وہ سندھو کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کو چلتا جائے اور پھر اُس جگہ پر نکلے جہاں پر سندھو میں شتدری کے پانی آملتے تھے۔ یہاں سے وُہ شتدری کو پار کر کے پھر اُوپر کی طرف جدھر سے وُہ آرہا تھا اُدھر کو چلنے لگے۔ اب پھاگن کا اخیر تھا اور وُہ چیتر کے اخیر تک اور حد وساکھ کے پہلے دنوں میں گھاگرا کے کنارے وہاں پہنچ سکتا تھا جہاں درشدوتی ندی اس کے بہاؤ میں آکر ملتی تھی اور اپایاندی ساتھ میں بہنے لگتی تھی۔ اور وہاں سے اُس کی بستی قریب تھی، آدھے چاند چکّر سے بھی تھوڑے فاصلے پر۔

وُہ سندھو سے تین کوس دُور ہوا اور پھر اس کے پانیوں کو اپنے دائیں جانب رکھ کر سر جھکائے اُن کھیتوں میں چلنے لگا جن میں وُہ واہک جُھکے ہوئے تھے جو اُس کے ساتھ کشتی پر آئے تھے پر اُنہوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا نہیں اپنے کام کاج میں مگن رہے۔ کنک کے سِٹّوں میں سبز کچّا

دانہ پڑنے سے اُن کی باس الگ ہو چکی تھی جیسے عورت میں مہجڑ جائے تو اُس کے بدن کی باس بھی پہلے سے الگ ہو جاتی ہے۔

دو تین کوس اور چلنے سے کھیتیاں بھی پیچھے رہ گئیں۔

اور اب وہاں ایسے رُکھ تھے جن کی شاخیں اور پتّے اور ڈالیاں بس میں یُوں گُتھے ہوئے تھے کہ وہ یوں تو بے انت تھے پر ایک ہی لگتے تھے۔ ورچن ایک پل کے لئے رُکا اور پھر سانس بھر کر اُس ایک بڑی اور گھنی ہریاول کے اندر داخل ہو گیا۔

اور چیتر کا اخیر ہوتا تھا جب وُہ درشدوتی کے پانیوں تک پہنچا اور شام ہوتی تھی اور دھیرے دھیرے پودے پتر اور شکلیں گم ہوتی تھیں اس لئے وُہ ٹھہر گیا۔ اُس کے پاؤں بھی سُوجتے تھے اور پنڈلیوں میں ناڑیں تھکن سے ٹوٹتی تھیں اور ایک دوسرے کے اوپر ہوتی تھیں۔ اُس کا مُنہ سُوکھتا تھا اور پیٹ میں کچھ بَل کھاتا تھا۔ اُسے سفر میں بہت دن اور بہت راتیں ہو چکی تھیں۔ وہ پوٹلی سرہانے رکھ کر درشدوتی کی طرف مُنہ کر کے لیٹ گیا۔

پانی پر کالک سی اُترتی تھی اور اُس میں سارا کچھ گم ہوتا تھا اور وُہ پکھیرو بھی جو رُکھوں میں سے نکل کر پانیوں پر اُڈاری مارتے تھے۔ وُہ بھی گُم ہوتے تھے۔

اُس کے پیچھے اُن رُکھوں میں سے جن میں سے وُہ کئی دن اور کئی رات کے بعد نکلا تھا اور اپنے سامنے اس ندی کو ایسے لیٹے پایا تھا جیسے یہ تھمی ہوئی ہو اور اس کے پانی ٹھہر چکے ہوں اور صرف اُن رُکھوں کی گھنی شاخوں کے مہاندرے اُن میں دِکھتے تھے جو اُن پر جُھکتے تھے تو اُنہی رُکھوں میں سے مور کی آواز آئی "می آؤں۔ می آؤں" اور ورچن کے کان اُس کی آواز پر لگے اور ماتھے پر بَل چڑھائے سننے کے لئے تیار رہا پر وُہ پھر نہ بولا۔ اسی لئے اُسے شک ہوا کہ وہ وہاں بولا تھا اور اُس کی آواز اُسے یہاں آئی تھی اور وُہ جانتا تھا کہ وُہ آ رہا ہے۔

درشدوتی کے پانیوں کے اوپر ٹھہری ہوئی کالک پھیل کر کنارے تک آئی اور پھر رُکھوں کے اندر چلی گئی۔

اُسے اپنے پکھیرو ہونے کا خیال آیا۔۔۔ اِدھر موہنجو سے اِدھر جب وُہ رُکھوں میں آیا تھا تو اندر جیسے رات تھی اور وُہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا تھا اور دیر تک آنکھیں جھپکتا تھا اور پھر اُس کو کچھ کچھ سُجھائی دیا۔ اور وُہ بہت دن اور بہت رات ان رُکھوں میں رہا۔ چلتا رہا۔ جب اندھیرا ذرا گاڑھا ہوتا تو وُہ جان لیتا کہ اب باہر رات ہے اور وُہ پوٹلی سرہانے دھر کر اپنے لِنگ سیدھے کر لیتا۔ اِن رُکھوں کے گھنے اور ٹھہرے ہوئے موسم میں پہلے تو ہر شے ٹھہری ہوئی تھی۔ ٹہنیاں ایسے تھیں

کہ اُنہیں دیکھتے رہو تو وُہ بڑھتی ہوئی دِکھتی تھیں اور دیکھتے دیکھتے اُن میں سے ایک ہری بُوند پھوٹتی تھی جو دھیرے دھیرے پتّے کی شکل اختیار کرتی جاتی تھی۔ پر ایسا تب ہوتا تھا جب آنکھیں اُس برجمی رہیں اور سانس بھی زور سے نہ لیا جائے۔ تو ورچن کئی بار رُکتا تھا اور کسی شاخ کو دیر تک دیکھے جاتا تھا اور وُہ پھر اُس کے سامنے ذرا کانپتی تھی پر بہت ہی تھوڑی سی، ایسی کہ شک ہوتا تھا کہ نہیں کانپی اور وُہ اصل میں بڑھتی تھی اور یُوں وہ رُکھ اُس کے سامنے اور گھنے ہوتے تھے۔ تو اِن رُکھوں میں ہر شے ٹھہری رہتی تھی سوائے ٹہنیوں اور پتّوں اور پودوں کے جو بڑھتے جاتے تھے۔ اور اگر کان لگا کر سُنا جاتا تو اُن کے بڑھنے کی سرسراہٹ بھی سُنائی دیتی تھی۔ تو یہاں جب ورچن سوتا تو اُس کے اوپر ہریاول کا آسمان تنا ہوتا اور ارد گرد سبزے کی مہک تیرتی۔ اِن رُکھوں میں کوئی جنور یا پکھیرو نہ تھا! کوئی کیڑا مکوڑا نہ تھا صرف وہ آپ تھے جو بڑھتے جاتے تھے۔ اور پھر یہ کم گھنے ہونے لگے۔ ان کے ہرے چھپّروں میں سے کبھی آسمان دِکھتا۔ جیسے اُن کی چھت ٹوٹ رہی ہو اور جہاں جہاں سے یہ چھدرے ہوتے اور پتّوں میں سے آسمان نظر آتا وہاں سے ہوا کے ساتھ پکھیرو اندر آتے اور اُس کے ٹھہراؤ میں شور مچا کر اُسے توڑتے۔۔۔ اور پھر یہ ہوا کہ چُپ اور ٹھہراؤ تو گئے اور شور اندر آگیا۔ عجیب رنگوں اور نسلوں کے پکھیرو وہاں آ کر اُس کے سر پر چہکتے اور اُس کے کان کھاتے۔ یہ پکھیرو کبھی چُپ نہ ہوتے۔ جب وُہ چلتا تو اُس کے کندھوں پر بیٹھے رہتے اور وُہ اتنے زیادہ تھے کہ اب اُن کی وجہ سے اندھیرا بڑھتا تھا۔ وُہ لنگ سیدھے کرنے کو لیٹتا تو وُہ اُس پر ایسے اور اتنے بیٹھتے کہ اُسے ڈھک دیتے، کروٹ بدلنے سے اُن میں سے ایک دو اُس کے نیچے دب جاتے اور پہلے سے زیادہ شور مچاتے۔ ایک سویر جب وُہ سو کر اُٹھا تو وہ خود شور مچا رہا تھا اور پکھیروؤں کے ساتھ چہچہا رہا تھا۔ وہ ویسا ہی ہو گیا جیسے کہ وُہ تھے پر وُہ یہ نہ جان سکا کہ اُس کے پروں کا رنگ کیا تھا۔ اور ایک سویر پھر وُہی چُپ لوٹ آئی۔

درشدوتی کے پانیوں کے اوپر ٹھہری ہوئی کالک پھیل کر کناروں سے رکھوں کے اندر تک جا رہی تھی اور وُہ پوٹلی سرہانے رکھے اُسے دیکھتا جاتا تھا۔ دیکھتا جاتا تھا اور اُس نے آنکھیں جھپکیں تو شام گہری ہو کر رات ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک وُہ رُکھوں میں سے آیا تھا اور اب درشدوتی کے پار اُسے ریت میں چلنا تھا۔

رات وہ اچھی طرح سویا۔ بس کبھی کبھار پانی میں کوئی شے لوٹتی اور ہلکا سا شور ہوتا تو وُہ آنکھیں کھولتا اور بند کر لیتا۔ بڑی مچھلیاں تھیں جو اچھلتی تھیں اور بہاؤ پر گر کر نیچے چلی جاتی تھیں۔۔ مُنہ اندھیرے سویر کی تازہ ٹھنڈک اُس کے بدن کے لُوئیں ابھارتی ہوئی پھیلی تو وُہ

آنکھیں ملتا اُٹھ بیٹھا۔ سروٹوں میں سوئے ہوئے پکھیروؤں میں سے کوئی کوئی پَر جھاڑتا تھا اور بولتا تھا اور درشدوتی کے پانی اب ٹھہرے ہوئے نہیں لگتے تھے بلکہ وہ بہتے تھے اور کناروں سے لگ کر پیچھے ہوتے تھے اور سُنائی دیتے تھے۔ ورچن نے لُنگی اُتار کر پوٹلی میں باندھی اور اُسے اپنے سر پر اچھی طرح سے جما لیا۔ اُس نے پانی میں ٹہل کر پار جانا تھا۔ جب وُہ آیا تھا تو کوس دو کوس پرے سے اُس نے اس ندی کو پار کیا تھا۔ وُہ ایک ہاتھ سے پوٹلی سنبھالے آگے ہوا، اُس کے تلوے کنارے کی گیلی ریت پر بوجھ ہوئے تو ٹھنڈ اُس کے ننگے پنڈے میں لہریں لیتی تیرتی گئی اور سر کے بالوں تک جا پہنچی۔ وُہ ٹھٹھرنے لگا۔ اُس نے ایک اور قدم اٹھایا تو پانی ٹخنوں پر چڑھتا گھٹنوں تک آیا اور تب اُس کے پیچھے ہِل جُل سی ہوئی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے آسمان ہوا جس پر ابھی روشنی نہیں تھی اور پھر رُکھ تیزی سے گزرے اور پانی نزدیک ہوئے اور پھر وُہ خود پانی میں تھا اور ساتھ ہی اُس کے ننگے پنڈے کے گرداگرد جیسے کائی کے ڈھیلے بازو کسے جانے لگے اور کوئی اُس کو لپیٹ میں لیتا تھا۔ وُہ پانی کے اندر تھا اور اُس نے جو سانس لیا وہ بھی پانی تھا۔ اُس نے اپنے کو چھڑانے کے لئے زور لگایا پر وُہ اور نیچے جاتا تھا اور پانی اُس کے بدن میں بھرتا جاتا تھا۔ اُس نے جان لیا کہ کوئی جنور ہے جو اُس کے گرد لپٹتا ہے اور اُسے پانی میں گرا کر ڈبونا چاہتا ہے۔ اُس نے بہتیرا زور لگایا پر اس کا مُنہ سَر اور ناک پانی میں ہی ڈوبے رہے اور وہ سانس کے لئے کھانستا اور تڑپتا رہا، اُس کے ننگے پنڈے پر کوئی جم کے بیٹھا ہوا تھا اور اُس کی گردن دبوچتا جاتا تھا۔ یَم کے کتے مجھے کس جگہ پر لینے آ گئے۔ یہاں؟ کہاں؟۔۔۔ یہ کہاں ہے جہاں میں ہوں۔ درشدوتی کا کوئی کنارہ۔ موہنجو اور گھاگرا کے بیچ میں کہیں۔ اور۔ یہیں میرا بدن پُھولے گا اور پانی ہو کر ندی میں بُو پھیلائے گا۔ وُہ کھانس رہا تھا اور اُس کے ناک مُنہ سے پانی اُبلتا تھا جب اُس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑنے والے ہاتھ نے اُسے جھٹکا دے کر پانی سے باہر نکالا اور بولا "تُو مجھے پار لے جائے گا؟" پھر مٹھی کُھلی اور ورچن بے حال ہو کر پانی میں گرا۔ ایک دو ڈبکیوں کے بعد اُس نے ہوش کی اور سر باہر لے آیا۔ اُس نے چند گہرے سانس لئے، ہوا کو اپنے اندر کھینچا، ناک میں سے پانی سُنکا اور پپوٹوں پر ہاتھ پھیر کر اُوپر دیکھا "تُم یَم کے کُتّے ہو؟"

"یَم؟" وُہ اُس پر جُھک گیا "کیا بولتے ہو؟"

وُہ جنور نہیں تھا ایک جھکا ہوا بوڑھا تھا۔ اتنا زور والا بھی نہیں تھا بس اُس نے دھوکے سے اور پیچھے سے اُسے آ پکڑا تھا۔

"یَم۔ موت کے کُتّے جو ہمیں لینے آتے ہیں۔" ورچن کھانستا ہوا بولا اور اُس کی ناک سے پانی

بہتا تھا۔

"نہیں وِیر نہیں۔ تمہارا سانس تو نہیں رُکا؟" وُہ اُس کے پاس بیٹھ کر اُس کے گال پر تھپکی دے کر کہنے لگا۔ ورچن کا آنکھوں سے پانی صاف ہوا اور دم درست ہوا تو اُس نے اُسے دیکھا اور دیکھتے ہی جان لیا کہ یہ وُہ ہے جو موہنجو کے اس پار آنے والی کشتی میں اُس کے سامنے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا اور تب پھاگن کے اخیر کی ہوا میں پالا کاٹتا تھا۔ ورچن کا سانس پھر اُلٹنے لگا، وُہ اُسے بار بار اندر کھینچتا تھا اور پھر کھانستا تھا۔

"میں نے تم پر سخت ہاتھ ڈال دیا۔" وُہ جُھکا اور اپنے بندھے ہوئے ہاتھ ورچن کی ناک کو چُھوئے جیسے شرمندہ ہو "میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بس مُجھے پار لے چلو"

"تم ہو کون؟" ورچن نے باریک اور تھمتی آواز میں پُوچھا۔

ڈور گا نے بتایا۔

"اور تم میرے پیچھے چلے آئے اتنے دن اور اتنے رات۔ تم میرے قدموں کے اوپر آتے تھے چُپکے چُپکے۔ میرا پیچھا کرتے تھے۔ پر جب ہم اس پار اُترے تو تم میرے ساتھ کیوں نہ چل پڑے؟"

"اُٹھو۔ اِدھر کنارے پر آ بیٹھو سُوکھی زمین پر۔" ورچن کی پوٹلی جو پانی میں ڈوبنے سے بھاری ہو رہی تھی اُس نے اٹھائی اور اُسے سہارا دے کر پانی سے باہر لے آیا "بچھڑا گائے کے ساتھ نہیں چلتا پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ میں اُس سویر جب پھاگن کے اخیر کے ہوا میں پالا کاٹتا تھا ایک بچھڑے جیسا تھا جو گیلا گیلا باہر آتا ہے اور اپنے آپ کو سہار نہیں سکتا اور جب خشک اور گرم ہوتا ہے تو کانپتی ٹانگوں سے اٹھتا ہے اور ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ بھٹے کی چار دیواری میں سے نکل کر جب میں جھکتا ہوا اور چُھپتا گھاٹ تک پہنچا تو میری کانپتی ٹانگیں بھی مجھے سہارنے سے انکار کرتی تھیں اور میں بڑی مُشکل سے کشتی میں آیا اور ایک کونے میں ڈھیر ہوا۔ مُجھ سے پہلے ہر برس ایک دو تو نکلتے تھے پر وُہ میری آنکھوں کے سامنے واپس لائے جاتے تھے اور میں نہیں لایا جانا چاہتا تھا۔ دوسرے کنارے پر جو واہک اُترے وُہ تو اپنے اپنے کھیتوں میں جا جُھکے پر صرف تم تھے جو سند ھوسے دُور ہوتے تھے اور موہنجو کے بھٹوں سے پرے جاتے تھے۔ میں بھی ان دونوں سے اتنا پَرے ہونا چاہتا تھا کہ میرے اور اُن کے بیچ اتنی ندیاں اور رُکھ اور ریتیں آجائیں کہ وُہ مُجھے واپس نہ لے جاسکیں۔ مُجھے کیا پتہ کہ تم کون ہو کدھر جاتے ہو پر اتنا جان گیا تھا کہ موہنجو سے دور جاتے ہو اور اس لئے میں تمہارے پاؤں کی چھاؤں پر چلتا تمہارے پیچھے آتا رہا۔ جب تم